لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

نوجوان داعیوں اور انشا پردازوں سے

عزیز نوجوانو! تم اپنی دانشگاہوں سے انشا [illegible] اور فاضل بن کر نکلو گے، میں چاہتا ہوں کہ [illegible] کا حاصل اور تجربات کا نچوڑ ہے، اور تم کو اس کی صحیح اہمیت اور اس کی قدر و قیمت [illegible] تجربات کے بغیر نہیں سمجھ سکو گے۔

خبردار! تمہاری تحریریں، اور اسلام، اس کے حقائق اور اس کے اصولوں کو پیش کرنے کا تمہارا انداز [illegible]

[illegible]

ان علینا جمعه وقرآنه ۝ فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ۝ ثم ان علینا بیانه ۝ [illegible]

(القیامۃ ۱۷-۱۹) [illegible]

[illegible]

ابوالحسن علی ندوی

[illegible]

Regd. No. L/WNP 56

Phone:- 22946 / 29747

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

Nadwatul-ulama Lucknow-226007 (India)

نیا تصحیح شدہ اڈیشن

مصباح اللغات

عربی اردو ڈکشنری

از:-

مولانا عبدالحفیظ صاحب بلیاوی مرحوم

آفسیٹ طباعت، عمدہ کتابت

مشہور خطاط خلیق ٹونکی کے قلم سے

دیدہ زیب سرورق

اپنے آرڈر جلد دیجئے

ملنے کا پتہ

مینیجر مکتبہ برہان۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

جعلی لیبل، نقلی کیپسول اور ٹین کے ڈھکن سے ہوشیار!

نورانی تیل

درد - زخم - چوٹ - جلنے - کٹنے کی دوا

اب سنہرے اور ہرے دو رنگے کیپسول پر ٹریڈ مارک دیکھ کر خریدیے۔

انڈین کیمیکل کمپنی متوناتھ بھنجن یوپی

"تعمیر حیات" میں "اشتہار" دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

ہند تیل

ہر قسم کے جسمانی۔ درد۔ چوٹ۔ زخم۔ موچ جلنے۔ کٹنے وغیرہ اچانک گھریلو حادثہ کا فوری علاج ہے۔ اس کی مسلسل مالش کرو۔ بچوں کو تندرست و توانا بناتی ہے۔

تیارکردہ:- ہند سی۔ سی ورکس۔ متوناتھ بھنجن یوپی

صدر یار جنگ

(یعنی نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کی سوانح حیات)

مع مقدمہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

جسمیں ان کا خاندانی تعارف، ان کے حالات زندگی، خصوصیات و کمالات، علمی ادبی خدمات تصنیفات [illegible] تحریکات میں ان کا حصہ اور مضامین [illegible] اور اداروں کا ضروری تعارف بھی آگیا ہے، اس طرح یہ کتاب ایک پورے دور کی تاریخ بن گئی ہے!

Price Rs. 12/-

مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

NADWA BOOK DEPOT

P. O Box 93, LUCKNOW.

انگوری

جنرل ٹانک

معدہ، جگر، اعصاب اور گردوں کو طاقت دیتی ہے۔

بیماری کے بعد کی کمزوری کو جلد دور کرتی ہے۔

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

رانا ٹرانسپورٹ کمپنی

۲۱- زکریا اسٹریٹ کلکتہ ۱

اترپردیش، مدھیہ پردیش، دہلی، بمبئی

فون نمبر:- 347440 / 344048

برانچ:- بنارس، الہ آباد، لکھنؤ، کانپور، متھرا، جبلپور، آل انڈیا ٹرک

پروپرائٹر:- سید انور علی رائے بریلوی

تعمیرِ حیات

لکھنؤ — پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۵ جولائی ۱۹۷۶ء — ۲۵ رجب ۱۳۹۶ھ

فی شمارہ: ۵۰ پیسے — سالانہ: بارہ روپے

جلد نمبر ۱۳ + شمارہ نمبر ۱۸

اسحٰق جلیس ندوی

اہلِ علم اور اصحابِ خیر کی خدمت میں

ندوۃ العلماء کی بنیاد اس عہد میں پڑی جس میں تازہ دم اور توانا مغرب اور کمزور اور شکست خوردہ مشرق کی باہمی کشمکش اپنے نقطۂ عروج پر پہونچ چکی تھی۔ اس عقلی اور فکری کشمکش میں متعدد تعلیمی اور اصلاحی تحریکیں وجود میں آئیں اور انہوں نے اپنے اپنے دائرۂ عمل میں اسلام اور مسلمانوں کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

تحریکِ ندوۃ العلماء کے دو بنیادی مقاصد تھے (۱) نظامِ تعلیم کی اصلاح (۲) رفعِ نزاعِ باہمی۔ مگر کچھ مدت گزر جانے کے بعد تحریکِ ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد اور لائحۂ عمل میں وسعت اور ہمہ گیری پیدا ہو چلی گئی۔ اس نے متعدد بار اس ملک اور عالمِ اسلام کے دینی، تعلیمی، تہذیبی مسائل میں موثر رہنمائی کی نیز ذہنی اور فکری غذا کے لئے اپنے مقاصد میں ایک ایسے کتب خانہ کا قیام شامل کیا جو کتابوں کی تعداد و تنوع، نظم و انتظام اور محل و توقع کے اعتبار سے مثالی کتب خانہ ہو —

تحریکِ ندوۃ العلماء کے استقبال و عروج کا ایک دور وہ بھی تھا کہ جب اس کے سالانہ اجلاس اس ملک کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے تھے۔ قدیم و جدید تعلیم یافتہ اور بااثر عمائدین کے ایسے اجتماعات اس ملک کی تاریخ نے شاید ہی کبھی دیکھے ہوں — تحریکِ ندوۃ العلماء کی دعوت اور پیام نے نظامِ تعلیم کی اصلاح اور باہمی تنازعات کے خاتمہ کا احساس عالمِ اسلام میں پیدا کیا — علامہ سید رشید رضا مصری اور دوسرے اہلِ قلم اور مصلحین نے جامعہ ازہر کے نظامِ تعلیم میں اصلاح کی تحریک کو ندوۃ العلماء کی صدائے بازگشت قرار دیا۔

تحریکِ ندوۃ العلماء کی تاسیس ۱۳۱۱ھ میں ہوئی۔ اس وقت بانیانِ ندوہ کو اپنی درسگاہ کے قائم کرنے کا خیال نہ تھا بلکہ وہ صرف ہندوستان کے عربی مدارس کے نظامِ تعلیم اور طریقۂ تربیت کی اصلاح کی چاہتے تھے لیکن ہندوستان کی انتہا پسند فضا میں جب اس طریقۂ وسط اور راہِ اعتدال میں کامیابی پیش قدمی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو خود ندوۃ العلماء نے ایک دارالعلوم قائم کیا جس کا ۱۳۱۶ھ میں لکھنؤ کے ایک چھوٹے سے مکان میں افتتاح ہوا۔ چونکہ یہ عمارت دارالعلوم کی ضرورتوں کے لئے ناکافی تھی اس لئے کارکنانِ ندوہ کو اپنی عمارت تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا اور ۱۹۰۸ء کو لکھنؤ کے ایک پُر فضا مقام پر جو دریائے گومتی کے کنارے واقع ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی عظیم الشان عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اور اپریل ۱۹۱۲ء دارالعلوم اور دارالاقامہ نیز کتب خانۂ ندوۃ العلماء اس جدید عمارت میں منتقل ہو گئے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ساتھ کتب خانۂ ندوۃ العلماء بھی روز بروز ترقی اور وسعت کی منزلیں طے کرتا رہا۔

ندوۃ العلماء کے قیام کو پون صدی سے زائد عرصہ گذر چکا ہے اس مدت میں ندوہ کی زندگی میں ایسے حوصلہ شکن واقعات اور ایسی ایسی آزمائشیں پیش آئیں کہ اگر اس کے مخلص کارکنوں کے پائے استقامت کو ذرا بھی لغزش ہوتی تو انیسویں صدی کے عالمِ اسلام کی اس عظیم الشان دینی تحریک کا چراغ گل ہو جاتا۔ لیکن بانیانِ ندوہ کے اخلاص، تحریکِ ندوۃ العلماء کی اندرونی مقاومت اور منتظمینِ ندوہ کی ثبات قدمی اور اسلاف کے قیمتی اثاثہ کی حفاظت کے پُرخلوص جذبہ نے اسے ہر گرداب سے بچایا اور ہر طوفان میں محفوظ رکھا۔ ندوہ کے لئے آزمائش کا ایک مرحلہ ماضی قریب کی تاریخ میں پیش آیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان کے مسلمان بھی ہراسانی اور پریشانی کا شکار تھے ان کا اور ان کے دینی، ملی، تعلیمی اور ثقافتی مراکز کا وجود اور مستقبل جن خطرات سے دوچار تھا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ندوہ بھی تحریکی سرگرمیاں ماند پڑ گئی تھیں، اور وہ صرف دارالعلوم، کتب خانہ اور چند شعبوں میں سمٹ کر رہ گیا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد انھیں کو چلانا اور جاری رکھنا دشوار تھا۔ اس نازک اور صبر آزما موقع پر اس وقت کے وزیرِ تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی طرف سے حکومتی سطح پر امداد کی ایک پیشکش پیش ہوئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا ندوہ سے قلبی اور جذباتی تعلق کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مولانا آزاد ندوہ میں مولانا شبلی نعمانی کے زیرِ تربیت ایک مدت تک رہ چکے تھے اور "الندوہ" (جس کے مدیر علامہ شبلی نعمانی تھے) کے نائب مدیر کی حیثیت سے کام کر چکے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی پیشکش اور ندوہ پر ایسے بے سروسامانی کے حالات کہ موت و زیست کی کشمکش کا شکار، مگر کارکنانِ ندوہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے حکومت کی اس مستقل اعانت اور دائمی پیشکش کو حسن و خوبی ٹال دیا۔

کارکنانِ ندوہ نے اپنے بزرگوں کے قیمتی اثاثے، ندوہ کے اصل امتیاز و تشخص اور اس کی آزاد پالیسی کو ہر قسم کی ایثار و قربانی اور آزمائشوں کے باوجود سینے سے لگایا اور پرواز میں کوتاہی کے اندیشہ کو ان کے خودار اور دور اندیش مزاج نے گوارا نہ کیا۔

ندوۃ العلماء ایک تحریک ہے، ندوہ ایک مکتبِ فکر (SCOOL OF THOUGHT) کا نام ہے۔ ندوہ توکل اور ایثار کی بنیاد پر ایک جماعت کی تشکیل و تعمیر کا مرکز ہے اسے کسی عصری اور سرکاری تعلیمی ادارے کا ضمیمہ بنانا ندوہ کے اس دور کے باہمت بانیوں کو قبول نہ تھا —

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی وہ پیشکش (اگرچہ وہ بربنائے اخلاص و ہمدردی تھی) قبول کر لی جاتی تو ندوہ آج لکھنؤ یونیورسٹی کا اورینٹل ڈپارٹمنٹ بن کر رہ جاتا۔ اس کے در و دیوار ان طلباء کے لئے ترستے جو مولانا محمد علی مونگیری، مولانا شبلی نعمانی، مولانا سید عبدالحی صاحب اور مولانا سید سلیمان ندوی کے جانشین بنتے اور ان کی بنائی ہوئی شاہراہ پر گامزن ہو کر قومی اور ملی تعمیر کا سفر کرتے۔

ندوہ نے اس طرح کی مستقل اعانت سے اپنے کو ہر دور میں محفوظ رکھا جو آئندہ چل کر اس کے پاؤں کی بیڑی بن جائے اور یہی آج بھی اس کی پالیسی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد کا بھرپور صلہ ندوہ کو ملا۔

۱۹۴۷ء کے بعد ندوہ نے جو ترقی کی وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ نصابِ تعلیم کی اصلاح کا اعلان ندوہ نے روزِ اول سے ہی کیا تھا مگر اس کی تکمیل ۱۹۴۷ء کے بعد ہوئی۔ آج ندوہ کی تیار کردہ نصاب کی کتابیں ہمارے ملک کی جامعات ہی میں نہیں بلکہ عالمِ عرب کی معروف یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہیں، نئی نئی عمارتیں تعمیر ہوئیں، طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوا اور عالمِ اسلام میں ندوہ فکرِ اسلامی کے مرکز اور ندوی برادری دین، علم اور اسلامی ثقافت کی علمبردار ایک معروف جماعت کی حیثیت سے متعارف ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء مسلمانانِ ہند کا عالمِ اسلام کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے، ضرورت ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے اس گراں قدر ورثے کی حفاظت و بقا اور ترقی کے لئے دامے، درمے، سخنے تعاون فرمائیں۔

چند دیے اور بجھے .....

گذشتہ دنوں مولانا مفتی مہدی حسن صاحب، مولانا عثمان فارقلیط صاحب (ایڈیٹر الجمعیۃ)، مولانا ابوبکر غزنوی (خلف الرشید مولانا داؤد غزنوی)، مولانا نصر اللہ خاں عزیز (ایڈیٹر ایشیا لاہور)، شورش کاشمیری (ایڈیٹر چٹان)، علامہ بہجۃ البیطار (دمشق کے معروف عالم اور المجمع العلمی العربی دمشق کے رکن) اور بانیٔ ندوۃ العلماء مولانا سید محمد علی مونگیری کی صاحبزادی نے اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کا سفر کیا۔

دین، علم، تعلیم و صحافت کی ان ممتاز شخصیتوں کا سانحۂ ارتحال ملت کا ایک عظیم نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کا نعم البدل ہمیں نصیب فرمائے۔ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

ترانۂ ندوہ

ندوۃ العلماء کا وہ مقبول ترانہ جو بہت پسند کیا گیا اور جس سے ندوہ کے اہم جلسوں کا آغاز ہوتا ہے۔ مرتبہ مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی مدیر "رضوان" قیمت پچاس پیسے۔ کم از کم سو کاپیاں یکمشت لینے پر ۳۰ روپے سیکڑہ۔

ناشر: مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ پوسٹ بکس ۹۳ — لکھنؤ

اقبال کے کلام میں تاریخی حقائق و اشارات

یہ مقالہ اردو میں اصلاً سنہ ... امریکہ کی ایک علمی مجلس میں پڑھنے کے لئے لکھا گیا تھا، اور اس کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی نے تیار کیا تھا، لیکن یہ سفر جو M.S.A ... کی دعوت اور محترم عرفان احمد صاحب کی تحریک و کوشش پر ... کو ہونے والا تھا بعض مجبوریوں کی بنا پر نہیں ہو سکا۔ یہ مقالہ اس ملتوی شدہ سفر کی یادگار ہے۔

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

اقبال تاریخ کے خصوصی طالب علم بھی نہیں رہے، انہوں نے اس میں خصوصی بصیرت و مہارت کا دعویٰ بھی نہیں کیا ... [illegible]

[illegible]

بقیہ صـ۲

اور گمان تھا، محمد صلعم پر انقلاب انگیز اعلان ہے کہ انسان کے ... و اخلاق اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا اصل انحصار انسان کی ذہنی کیفیت، عمل کے محرکات اور اس کے مقصد پر ہے جس کو اسلام کی دینی و شریعت کی زبان میں "نیت" کے ایک مفرد و سادہ لیکن نہایت عمیق و وسیع لفظ میں ادا کیجئے۔ اس کے نزدیک نہ کوئی چیز مستقل دنیا ہے، نہ کوئی چیز مستقل دین، اس کے نزدیک خدا کی رضا کی طلب، اخلاص اور اس کے حکم کی تعمیل کے جذبہ و ارادہ کے ساتھ بڑے سے بڑا دنیاوی عمل، یہاں تک کہ حکومت، جنگ، دنیاوی نعمتوں سے تمتع، نفس کے تقاضوں کی تکمیل، حصول معاش کی جد و جہد، جائز تفریح طبع کا سامان، ازدواجی و عائلی زندگی، سب سے تقرب الی اللہ کا ذریعہ، اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب ولایت تک پہونچنے کا وسیلہ اور خالص "دین" بن جاتی ہے، اس کے برخلاف وہ بڑی سے بڑی عبادت اور دینی کام جو رضائے الٰہی کے مقصد اور اطاعت کے جذبہ سے خالی ہو اور خدا فراموشی اور غفلت کے ساتھ ہو (حتیٰ کہ فرض عبادتیں، ارکان اسلام، ہجرت و جہاد، قربانی اور سرفروشی اور ذکر و تسبیح بھی) خالص دنیا اور ایسا عمل شمار ہوگا جس پر کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے، بلکہ وہ بعض اوقات وبال کا موجب اور خدا سے دوری کا سبب ہو جائے گا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم ترین معجزہ اور انقلاب انگیز و حیرت آفریں کارنامہ ہے کہ آپ نے دین و دنیا کی اس دوئی کو دور کیا۔ اور ان دونوں بچھڑوں کو جو سیکڑوں برس سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہ تھے اور بارہا خون آشام جنگیں لڑ چکے تھے، گلے ملایا، یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کامل طور پر رسول وحدت "اور بیک وقت "بشیر" و "نذیر" ہیں، آپ نے دنیا کے انسانوں کو متحارب کیمپوں سے نکال کر حسن عمل، خدمت خلق اور حصول رضائے الٰہی کے ایک ہی محاذ پر کھڑا کر دیا، اور سب کو اس جامع اور انقلاب انگیز دعا کی تلقین کی کہ "ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار" اور "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین" کہہ کر یہ ثابت کر دیا کہ مومن کی زندگی متفرق و متضاد وحدتوں کا مجموعہ نہیں، بندگی و عبودیت کی ایک ہی اکائی اور وحدت ہے، یہاں لباس دنیا میں درویشی قبائے شاہی میں فقیر و زاہد، سیف و تسبیح کے جامع رات کے عبادت گذار، اور دن کے شہسوار نظر آئیں گے اور ان کو اس میں کسی قسم کا تضاد و بلکہ دشواری بھی محسوس نہیں ہوگی۔

اس تمہید کے بعد آپ اقبال کی یہ نظم پڑھئے جو انہوں نے دین و سیاست کے عنوان پر لکھی ہے، کس طرح انہوں نے رہبانیت اور اسلام (دونوں) ...

عصر حاضر، اور مسیحی و اسلامی تعلیمات کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے جو اپنی پوری علمی سنجیدگی اور وقار و جلال کے ساتھ اپنی شیرینی و دلآویزی کی بدولت ایک کوزۂ نبات معلوم ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی
سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں
کہ وہ سربلندی ہے یہ سربہ زیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لئے نامرادی
دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا
بشیری ہے آئینہ دار نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

طویل انسانی تاریخ کی جو بزم سے زیادہ رزم کے افسانوں پر مشتمل ہے، اور جس کے بڑے حصے کو خوں ریز اور خون آشام جنگوں اور افراد و جماعتوں کی طالع آزمائیوں، اور مہم جوئیوں کی تفصیلات نے گھیر رکھا ہے، شہادت ہے کہ کسی فرد یا جماعت میں قوت و اقتدار کے مرکوز ہو جانے نے بنی نوع انسان کو اتنا نقصان نہیں پہونچایا۔ اور تاریخ کو اتنا زیر و زبر نہیں کیا، جتنا نشۂ قوت اور احساس برتری نے کیا جس وقت کسی فرد یا جماعت پر یہ احساس مستولی ہو جاتا ہے کہ اب اس سے زیادہ طاقت ور کوئی نہیں اور وہ ایک سیل رواں ہے جس کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا، وہ خدا کی تقدیر ہے، جس کو کوئی بدل نہیں سکتا، ساری دنیا اور ہمسایہ قومیں اس کے رحم و کرم پر ہیں، اصل حقیقت اور اصل قانون طاقت ہے، انسانیت، عدل و انصاف، اخلاق و ضمیر، خوب و ناخوب، مناسب و نامناسب، سب بے معنی الفاظ اور کمزوروں اور بے دست و پا قوموں اور افراد کی غلامانہ و شکست خوردہ منطق ہے، جب جنگل کے قانون (MIGHT IS RIGHT) - طاقت ہی اصل دلیل اور حق و باطل کا معیار ہے، فلسفہ کی مکمل طور پر فرمانروائی ہوتی ہے، خوف خدا، انسانیت کا احترام، شرم و لحاظ، بزدلی اور کمزوری کی علامت سمجھی جاتی لگتی ہیں، وسائل مقاصد بن جاتے ہیں، اور مقاصد غیر محدود شکل اختیار کر لیتے ہیں تو پھر نشۂ قوت میں سرشار فرد یا جماعت ایک ایسی اندھی تخریبی طاقت اور کوہ آتش فشاں کا ایک ایسا آتشیں سیلاب لاوہ بن جاتی ہے

جس کے سامنے نہ عظمتیں ٹھہرتی ہیں، نہ تہذیبیں، نہ اخلاقی تعلیمات، نہ پیشوایان مذہب کی مساعی جمیلہ کے نتائج اور ان کے قائم کئے ہوئے وہ ادارے جو صدیوں سے انسانیت کے حق میں فیض رساں اور چشمۂ رحمت تھے، یہ آتشیں سیلاب سیکڑوں ہزاروں برس کی تعمیری کوششوں، علم و ادب کے اندوختوں بلکہ آئندہ کئی صدیوں تک کے لئے تعمیر انسانیت کی توقعات اور امیدوں پر پانی پھیر دیتا ہے، بستیوں کی بستیاں اور شہر کے شہر بے چراغ ہو جاتے ہیں، آباد اور پُر رونق بستیوں پر ہل چل جاتے ہیں، آبادیاں خرابات میں، شہر قبرستانوں میں، عبادت گاہیں میخانوں اور قمار خانوں میں علم و دانش کے مرکز تفریح گاہوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، معاشرہ اس طرح زیر و زبر ہو جاتا ہے کہ ہر بلند پست اور ہر معزز ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔

قرآن مجید نے اپنے معجزانہ انداز میں چند لفظوں میں اس کی تصویر کھینچ دی ہے، اس نے ملکۂ سبا کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو اپنی لافانی کتاب میں ذکر کر کے ایک طرح سے ان پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذلک یفعلون۔ (النمل ۳۴)

(بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں، اور اسی طرح یہ بھی کریں گے)

اسی نشۂ قوت اور حد سے بڑھے ہوئے احساس برتری کی دنیا کی وہ گذشتہ قومیں شکار ہوئیں جن کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے، اور جنہوں نے صرف تخریبی اور مفسدانہ کردار ادا کیا اور ایک مست و مجنوں ہاتھی کی طرح انہوں نے اپنے ہم جنس انسانوں اور ہمسایہ قوموں کو سبزہ کی طرح روند ڈالا، انہیں میں سے ایک قوم عاد تھی جس کی قرآن مجید نے اسی بیماری کی نشاندہی کی ہے۔

"فاما عاد فاستکبروا فی الارض بغیر الحق وقالوا من اشد منا قوۃ اولم یروا ان اللہ الذی خلقھم ھو اشد منھم قوۃ وکانوا بآیاتنا یجحدون۔ (فصلت ۱۵)

(جو عاد تھے ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا جس نے انکو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے، اور وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔

اسی خدا فراموشی، خود پرستی و خود پرستی کا نتیجہ طاقت کے اس آزادانہ استعمال کی شکل میں

ہوا، جو تمام حدود و قیود سے آزاد، نتائج و عواقب سے بے نیاز اور جرم و سزائے جرم کے باہمی تناسب سے بے فکر تھی، خدا کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام نے جو اس سرکش قوم عاد میں مبعوث ہوئے تھے، ان کی انہیں بیماریوں کی نشاندہی کی۔

"أتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون و تتخذون مصانع لعلکم تخلدون ۰ واذا بطشتم بطشتم جبارین ۰" (الشعراء ۱۲۸-۱۳۰)

(بھلا تم جو ہر اونچی جگہ پر نشان تعمیر کرتے ہو اور محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہوگے اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو)

جب کوئی ناخدا ترس قوم یا فرد "اقتدار مطلق" کے کسی مقام پر فائز ہو جاتی ہے اور اس کے ہاتھ میں ایسی طاقت آ جاتی ہے، جس سے وہ اپنے ہر منشا کو پورا کر سکتی ہے، تو پھر وہ اپنے زیر اثر افراد اور قوموں کے ساتھ جو اس کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں، مٹی کی بے جان مورتوں اور کاغذ کے پرزوں کا سا سلوک کرنے لگتی ہے، وہ اس کو ان کے توڑنے کے بارے میں اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرنے لگتی ہے، قرآن مجید فرعون کے متعلق جو اپنے کو ایسے ہی اقتدار مطلق کا مالک سمجھنے لگا تھا، کہتا ہے۔

"ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعا یستضعف طائفۃ منھم یذبح ابناءھم ویستحیی نساءھم انہ کان من المفسدین ۰ (القصص)

(فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا، ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا، بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا)

ایک ایسے ہی خود پرست اور خود مست کی جو ان اوصاف کے ساتھ چرب زبان اور سحر بیان بھی واقع ہوا ہے، قرآن مجید ان الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہے، یہ درحقیقت ایک فرد واحد نہیں بلکہ ایک خاص ذہنیت و کردار کی نمائندگی کرنے والا ایک مستقل نوع یا طبقہ ہے۔

ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا ویشھد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام ۰ واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد ۰ واذا قیل لہ اتق اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم فحسبہ جہنم ولبئس المھاد ۰ (البقرہ ۲۰۴-۲۰۶)

(اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تم کو دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر خدا کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ

→

سخت جھگڑالو ہے، اور جب اس کو کسی قسم کا اقتدار حاصل ہوتا ہے، تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے اور خدا فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے خوف کر تو غرور اس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے، سو ایسے کو جہنم سزاوار ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے)

انسانی تاریخ اس ذہنیت کے نمونوں اور نمائندوں کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے، رومی اور ایرانی اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں اس کا بہترین نمونہ تھے، اور اس نشۂ قوت اور اس حد سے بڑھے ہوئے احساس برتری نے ان میں جو تخریبی صلاحیت، سفاکانہ ذہنیت اور مردم آزاری کی کیفیت پیدا کر دی تھی، وہ ان کی بے مقصد فتوحات، قوت پرستی اور انسان کشی کے واقعات سے عیاں ہے، ڈاکٹر ڈریپر (DRAPPER) اپنی کتاب معرکۂ مذہب و سائنس (CONFLICT—BETWEEN RILGION AND SCIENCE) میں لکھتا ہے:۔

"جب جنگی قوت اور سیاسی اثر کے لحاظ سے سلطنت روما انتہائے ترقی پر فائز ہو گئی تو مذہبی اور عمرانی پہلو سے اس کی اخلاقی حالت فساد کے درجۂ اخیر کو پہونچ چکی تھی، اہل روما کی عیش پرستی و عشرت پسندی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی، ان کا اصول یہ تھا کہ انسان کو چاہئے کہ زندگی کو ایک مسلسل تعیش بنا دے ... ... عالی شان حماموں، دل کشا تماشگاہوں، اور جوش آفریں دنگلوں سے جن میں پہلوان کبھی ایک دوسرے سے اور کبھی وحشی درندوں سے اس وقت تک مصروف زور آزمائی رہتے تھے جب تک کہ حریفوں میں سے ایک ہمیشہ کے لئے خاک و خون میں سو نہ جائے، اہل روما کے سامان تعیش میں مزید اضافہ ہوتا تھا، دنیا کے ان فاتحوں کو تجربے کے بعد یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ عبادت اور پرستش کے لائق اگر کوئی شے ہے تو وہ قوت ہے، اسی لئے کہ اسی قوت کی بدولت تمام اس سرمایہ کا حاصل کرنا ممکن ہے جو محنت اور تجارت کی مسلسل جانکاہیوں اور عرق ریزیوں سے پیدا ہوتا ہے، مال و املاک کی ضبطی، صوبجات کے محاصل کی تشخیص، زور بازو کی بدولت جنگ میں کامیاب ہونے کا نتیجہ ہے، اور فرمانروائے دولت روما اسی قوت کا نشان اعلانیہ ہے۔"

اس کے بعد ساتویں صدی ہجری کے نیم وحشی تاتاریوں کی اس یورش کی تفصیل جگہ تمام تر تاریخ کی کتابوں میں پڑھئے، جن کو ایک ردو تجربوں کے بعد اس کا احساس اور علم ہو گیا تھا کہ اس وقت آس پاس کی دنیا میں ان کے سیل رواں کو روکنے والی کوئی طاقت موجود نہیں ہے، آج بھی اس کی تفصیل لرزتے ہوئے دل اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے بغیر پڑھنی مشکل ہے، یہ ایک فتنۂ جہاں سوز تھا، جس نے اس وقت کی متمدن دنیا کی چولیں ہلا کر رکھ دیں، اس وقت کے سارے انسانوں پر وحشت و دہشت اور سراسیمگی اور مایوسی کا ایک کیفیت طاری تھی جو اس وقت کی تاریخ ہی نہیں، ادب و شاعری اور اخلاق و تصوف کی کتابوں سے بھی عیاں ہے۔ مورخ لکھتے ہیں اس لشکر کی تاخت سے صرف آباد ملک، گلزار شہر اور مردم خیز و پر رونق قصبوں ہی کی اینٹ سے اینٹ نہیں بج گئی، اور وہ خاک کے ایک تودہ میں تبدیل نہیں ہوئے، بلکہ پوری انسانی تہذیب اس کی لپیٹ میں آ گئی، دنیا کی علمی و تمدنی ترقی صدیوں کے لئے پیچھے چلی گئی، عالم اسلام پر جو اس وقت مذہب و اخلاق اور علم و حکمت کا علمبردار تھا، علمی و فکری انحطاط کے سیاہ بادل چھا گئے، ذہانت کے سوتے مدت تک کے لئے خشک ہو گئے، عراق و ایران اور ترکستان سے جو علوم اسلامیہ کا ملجا و ماویٰ تھے، ذہین و ذی علم خاندان اپنی جان و عزت بچانے کے لئے ہجرت کر کے ہندوستان میں پناہ لینے لگے، جو عالم اسلام کے بعید ترین سرے پر واقع تھا، جہاں ترکی النسل طاقتور خاندان جو ان وحشی تاتاریوں کو ترکی بہ ترکی جواب دے سکتے تھے، حکومت کر رہے تھے، عالم اسلام پر دینی و ذہنی اضمحلال، علمی انحطاط سایہ فگن ہوا کہ بعض علمی حلقوں نے اجتہاد کے دروازہ کو بند کر دینے اور تقلید پر اقتصار کرنے ہی میں عافیت اور سلامتی سمجھی۔

ہیرا، سکندر اعظم، چنگیز و ہلاکو اور تیمور لنگ و نادر شاہ افشار سب اسی نشۂ قوت کے بیمار اور اپنے اپنے وقت میں نوع انسانی کے بے دردانہ شکاری اور اپنے زور شمشیر اور قوت تسخیر کا دنیا کو تماشا دکھانے والے خطرناک بازیگر تھے، ان کے ذہنیہ کارناموں اور ان کی اس صید افگنی اور زور آزمائی کی خونی داستان پڑھنے کے بعد اقبال کے حسب ذیل شعر پڑھئے اور داد دیجئے کہ انہوں نے کس طرح تاریخ کے ہزاروں صفحات کا عطر ان تین شعروں میں کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

سکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انساں کی قبا چاک
تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے
صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک
اس سیل سبک سیر زمیں گیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

مشرق میں بہت سے دانشوروں کا احساس ہے کہ اس بیسویں صدی عیسوی میں جو مغرب و اپنے دونوں مشرقی و مغربی کیمپوں کے ساتھ (اور بالخصوص) قوموں اور تہذیبوں کے اسی قدیم مرض نشۂ قوت اور حد سے بڑھے ہوئے احساس برتری کے بیمار ہیں، انہوں نے اپنے کو قوموں اور ملکوں کا مالک و مختار، دہر پرست اور ان کی قسمت کا مالک سمجھ لیا ہے، وہ بھی ہر مسئلہ کو قوت کے ترازو پر تولتے اور حمد و ثنا کے معیار سے جانچتے ہیں، وہ بھی دنیا کے کسی گوشہ میں کسی صالح قیادت کو ابھرنے اور اگر ابھر آئے تو پنپنے نہیں دیتے، بلکہ اب تو مشرق کے بہت سے ہمدردوں کا خیال یہ ہے کہ اکثر مشرقی اور ایشیائی اور بالخصوص اسلامی ملکوں کی صورت حال کے بگڑنے اور وہاں کے ذہنی و اخلاقی انتشار کی ذمہ داری مغرب کی اسی لیڈرشپ پر ہے۔

حق و انصاف سے بے نیازی، سود و زیاں کی منطق، مغربی قیادت کو مشرق کے کسی مسئلہ پر حقیقت پسندانہ غور کرنے اور اس کا منصفانہ حل تلاش کرنے کی اجازت نہیں دیتی، وہ کمزور لیکن برسر حق مظلوم کا ساتھ دینے کے بجائے طاقتور ظالم کا ساتھ دیتی ہے، اسی کی وجہ سے اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کے جیسے مفید ادارے بھی، اپنا مقصد پورا کرنے، کسی آنے والی مصیبت کو روکنے اور انسانیت کی بے لوث خدمت کرنے سے قاصر ہیں، خلوص اور بے غرضی کی اس اہم عنصر کے فقدان نے مغرب کی ان عظیم فیاضانہ مالی، غذائی اور تربیتی امدادوں کو بھی، تقریباً بے اثر بنا دیا ہے، جس کے دہانے اس نے کھول رکھے ہیں اور مشرق پر ان کا وہ اخلاقی اثر نہیں ہے جو ہونا چاہئے۔

لیکن یہی طاقت جب ایک صالح مقصد اور اپنی صلح رہنما کے ماتحت اور زیر اثر ہوتی ہے اور وہ پہلے سے زنجیر نہیں بلکہ ایک راہ داں اور راہ رہی، اور رہنما، شہسوار کی مرکب نہیں بلکہ مرکب، شہسوار نہیں بلکہ تابع مقصد نہیں بلکہ وسیلہ ہوتی ہے، تو وہ قہر و عذاب کے بجائے نعمت و رحمت، ہلاکت کے بجائے حیات، تخریب کے بجائے تعمیر کا ذریعہ بن جاتی ہے اس سے مظلوموں کی داد رسی، صدیوں کے غلاموں کی ابدی غلامی سے آزادی، حقوق کی بحالی، انسان کی حیثیت عرفی کی بحالی کا کام لیا جاتا ہے اس سے دنیا میں پھر ایک نئے دور کا آغاز اور جہان نو کی تعمیر ہوتی ہے، اسی لئے وہ کہتے ہیں ؎

لادینی ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

اقبال کے نزدیک اس کی بہترین مثال اسلام کے حلقہ بگوش اور مسلمان عربوں کی وہ مبارک فتوحات اور خدا کی دی ہوئی طاقت کا وہ صحیح استعمال ہے، جو انہوں نے انھیں کے ایک سپہ سالار کے الفاظ میں ... انسانوں کی ... سے نکال کر ... کی ... ہونے کا ... دنیا اور آخرت ...

مذاہب کی ناانصافیوں اور کوتاہ اندیشیوں سے خلاصی دے کر اسلام کے عدل و انصاف سے متمتع ہونے کی غرض تھا، انہوں نے اپنے ان اشعار میں جن میں انہوں نے خود امت عربیہ کو مخاطب کیا ہے بڑے دل آویز طریقہ پر عربوں کے اس تعمیری اور انقلابی کارنامہ کو بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ یہ کسی ایمان و عقیدہ اور کس کی دعوت و پیغام کا فیض تھا، ان کے فارسی کلام کے حسین ترین حصوں میں ہے ؎

[illegible]

(ترجمہ)

۱۔ اس امت ... کی خوش قسمتی کہ ...

۲۔ آزادی کا غنچہ آپ ہی کی آغوش مبارک کا پروردہ ہے ...

۳۔ ...

۴۔ آپ ... سے ... دی اور آپ ... مرحلۂ ...

→

پر برگ و بار آنے لگے۔

۵۔ بدر و حنین کی گرمئ جنگاہ آپ ہی کے جوش و خروش کے دم سے تھی، اور حضرت صدیقؓ و فاروقؓ، حیدرِ کرارؓ اور شہیدِ عالی مقام حضرت حسینؓ کی انقلابی شخصیتیں آپ ہی کی جو صفت ذات کی تجلیاں تھیں۔

۶۔ حالتِ جنگ میں بلند ہونے والی اذان کی عظمت و ہیبت اور تلاوت اتقافات کی لذت و حلاوت آپ ہی کی دی ہوئی ہے۔

۷۔ صلاح الدین ایوبی کی شمشیر آبدار، اور بایزید بسطامی کی حقیقت بیں نگاہ دو عالم کے خزانوں کی کلید ثابت ہوئیں۔

۸۔ ساقئ مدینہ کے ایک جام سے عقل و دل دونوں ہی مست و سرشار ہو گئے، اور آپ کی تربیت گاہ میں رومی کا ذکر اور رازی کی فکر فلک پیما ہم آہنگ ہوئی۔

۹۔ علم و حکمت، دین و شریعت اور انتظامِ سلطنت اور دنیا کے اندر پھیلی ہوئی روحانی طلب و تلاش اور سینوں میں دلوں کی بے قراری۔

۱۰۔ الحمراء اور تاج محل کا وہ حسن عالم سوز و دل افروز جو فرشتوں سے بھی خراجِ عقیدت لے لیتا ہے۔

۱۱۔ یہ سب کارنامے آپ کے اوقاتِ عزیز وگرامئ حیات کے ایک مختصر لمحہ اور آپ کی تجلیات باطنی کی طرف ایک تجلی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۲۔ آپ کے فیضِ ظاہری کے اثرات ان جلوۂ دلفروز کی شکل میں تو ظاہر ہو گئے، لیکن آپ کے وجودِ مبارک کا باطنی پہلو عارفانِ کامل کی نگاہ سے بھی پوشیدہ ہے۔

۱۳۔ رسولِ پاکؐ کی عظیم ہستی بے حد تعریفوں کی مستحق ہے جس نے مشتِ خاک کو ایمان دے کر جوہرِ قابل بنا دیا۔

دنیا کے عجائبات میں سے تاریخ کا یہ کلیہ بھی ہے کہ جن لوگوں نے عظیم سلطنتوں کی بنیاد رکھی، جن کی بدولت خستہ حال اور پامال قوموں کو عروج و ترقی، عظمت و شوکت اور اقبال و سربلندی کے دن دیکھنے نصیب ہوئے وہ ہمیشہ جفاکش، محنت کوش، سخت جان، ہر قسم کی راحت و تنعم سے بے نیاز اور نہایت سادہ پُرمشقت اور خشک زندگی گذارنے کے عادی تھے، اور اسی سبب سے ان کی جو صلاحیت اور محنت کوشی کی وجہ سے وہ سخت ناسازگار حالات میں ان سلطنتوں کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوئے جو صدیوں تک چلائے نہ چل سکی، لیکن دولت و وسائل کی فراوانی، خوشامدی اور غرض مند مصاحبین اور خوشامدی درباریوں نے ان کے اخلاف اور جانشینوں پر ... [illegible] ... کے عیش و عشرت

کے خوگر، تن آسانی، راحت طلبی اور تنعم کے اس طرح شکار ہوئے کہ ان کو بلی کر پالی بجائے خود ہو گیا، وہ رزم کے بجائے بزم کے مردِ میدان بن گئے، شراب و شاہد، چنگ و رباب اور مطرب و مغنی ان کے دم ساز و ہمراز تھے، جن کے بغیر ان کو چین نہیں آتا تھا، سلطنت کی حفاظت و توسیع اور نئی نئی فتوحات کے بجائے ان کی ساری ذہانت لباسوں کی تراش خراش، کھانوں کی نئی نئی قسمیں ایجاد کرنے، اور عیش و عشرت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں صرف ہونے لگی، اور اس میں وہ ان حدود اور اس انتہا تک پہنچ گئے جہاں آسانی کے ساتھ ایک متوسط آدمی کے تخیل اور قیاس کا پہنچنا بھی مشکل ہے، یہ تاریخ عالم کا ایک ایسا کلیہ ہے جس میں مشکل سے استثناء ملے گا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک قانونِ قدرت ہے اور مال و دولت، سلطنت و حکومت اور ہر طرح کے وسائل کی ذریعی وفراوانی کا ایک منطقی نتیجہ ہے، قرآن مجید نے اپنے مستمر ایجاز و اعجاز کے ساتھ اس حقیقت کو ان بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے۔

کلا ان الانسان لیطغیٰ ہ ان راٰہ استغنیٰ ہ (سورۃ العلق)

(مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے جب کہ اپنے تئیں غنی دیکھتا ہے)۔

ایک ایک قوم اور ایک ایک سلطنت کی تاریخ پڑھئے آپ کو آغاز و انجام میں یہی تفاوت اور بانیانِ سلطنت کے اخلاق، طرزِ زندگی، معیار و اقدار اور ان کے نااہل وارثوں کے اخلاق و اطوار اور اقدار و معیار میں یہی تضاد نظر آئے گا۔

ہم یہاں پر صرف دو مثالوں پر اکتفا کریں گے، جن کا تعلق اس ملت سے ہے، جو دنیا میں اخلاقی تعلیمات کی سب سے بڑی علمبردار اور اس پیغمبر کی نام لیوا ہے، جس نے پیٹ پر پتھر باندھے، جس نے فقر کو اپنا فخر قرار دیا اور جس ملت کی بنیاد زہد و قناعت، احتسابِ نفس اور خدمتِ حق پر ہے، ایران و روما، مصر و یونان اور دنیا کے دوسرے ممالک کی سلطنتوں اور تہذیبوں کی تاریخ میں اس کی صدہا مثالیں ملیں گی۔

سب جانتے ہیں کہ عرب اسلام کا پیغام پہونچانے اور دنیا کو "خدا کی حکومت" میں شامل کرنے کے لئے جب جزیرۃ العرب سے نکلے تھے تو ان کا کیا حال تھا، وہ کس قدر جفاکش، سخت کوش، تمدن کے لوازمات اور تکلفات سے کس قدر ناآشنا اور بیگانہ تھے، ان کی زندگی کس قدر فقیرانہ اور ان کا لباس کیسا سادہ تھا، انہوں نے اسلام کے پیغام کی قوتِ تسخیر اور اپنی

اس زندگی کی خصوصیات کے زور سے جس سے اس وقت کی دنیا کی قومیں یکسر محروم ہو گئی تھیں، عظیم سلطنتیں قائم کیں، ان میں سے ایک سلطنت عباسیہ تھی، جس کا پایۂ تخت بغداد تھا، اور جس نے خلافت کے نام سے تقریباً پانچ سو برس تک کرۂ ارض کے حکومت کی اور تقریباً اس وقت کی متمدن دنیا کے آدھے حصہ کو زیر نگیں کر لیا، اس کے بانی اور ابتدائی حکمراں ہارون و مامون تک (ان شاہانہ اولوالعزمیوں اور خوش باشیوں کے ساتھ جو مشہور خاص و عام ہیں) جفاکش، سخت کوش، سپاہیانہ زندگی کے عادی اور میدانِ جنگ کے شہسوار بھی تھے، لیکن رفتہ رفتہ اس سلطنت کو بھی عیش و عشرت کا گھن لگ گیا اس کے تخت نشین جو خلافتِ اسلامیہ کی نسبت گرامی کے بھی حامل تھے، عیش و عشرت کے دلدادہ اور دولت و وسائل کی بہتات کی پیدا کی ہوئی بیماریوں کے بری طرح شکار ہو گئے۔ دارالخلافہ بغداد میں عیش و عشرت اور خود فراموشی و غفلت کا ایک سیلاب آیا، جس سے بڑے بڑے عقلاء و فضلاء سنجیدہ و باوقار لوگوں کے دامن بھی آلودہ اور تر ہو گئے، سارے بغداد میں اور اس کے اثر سے قرب و جوار میں زندگی سے تمتع اور لطف اندوزی کی فضا چھا گئی، اور عیش و نشاط کا دور دورہ ہوا، اس غفلت و سرمستی کا نتیجہ آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کی خلافت میں تاتاریوں کے اس وحشیانہ حملہ کی شکل میں ظاہر ہوا، جس سے علم و تہذیب کا یہ گہوارہ ایک وحشتناک مقتل میں تبدیل ہو گیا۔ جس کی تفصیل لکھنے سے مسلمان مورخین کا قلم بھی بار بار رکتا ہے۔

ایک مورخ نے بغداد کے اس عہد کی تصویر بڑی خوبی سے کھینچی ہے، دسویں صدی کے ایک مشہور عالم و مورخ مفتی قطب الدین نہروالی مکی مستعصم کے عہد میں اہلِ بغداد کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"نرم و گرم بستروں میں آسودہ بغداد کے کنارے چین کی بانسری بجانے والے، آبِ رواں اور صحنِ گلشن کے عادی، دوست احباب کی محفلِ گرم، اور دسترخوان میووں اور مشروبات سے پُر، انہوں نے نہ کبھی حرب و ضرب سے واسطہ رکھا، نہ جنگ کی تلخی سے ان کے کام و دہن آشنا ہوئے۔

دوسری مثال ہندوستان میں سلطنتِ تیموریہ کی ہے، جس کا بانی ظہیر الدین بابر تیموری (۱۴۸۳ء–۱۵۳۰ء) تھا، اس سلطنت کی حقیقی بنیاد توبہ و انابت کی کیفیت زندگی کی تبدیلی کے عزم، محنت کوشی اور جانبازی اور عزم صادق سے پڑی، بابر

نے جب یہ دیکھا کہ رانا سانگا کے ایک لاکھ بیس ہزار کا مقابلہ کرنے کے لئے اس کے پاس صرف ۱۰ ہزار سپاہی ہیں، اجنبی بیگانہ ملک میں ہونے کی وجہ سے ہر قسم کی کمک اور رسد سے محروم ہیں تو اس نے فتح کا ایک دوسرا راستہ اختیار کیا، مشہور مورخ ابوالقاسم فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"فردوس مکانی نے تھوڑے غور و تامل کے بعد کہا کہ میری اس بزدلی پر دنیا کے اسلامی فرمانروا مجھے کیا کہیں گے ظاہر ہے کہ سبھوں کا یہ خیال ہوگا کہ محض اپنی جان کی خیر مانگ کر اتنے بڑے وسیع ملک کو اس طرح ہاتھ سے کھو بیٹھا۔ میرے نزدیک یہی بہتر ہے کہ شہادت کی سعادت کو مدنظر رکھوں اور مردانگی کے ساتھ معرکۂ کارزار میں دل و جان سے کوشش کروں۔

اہلِ مجلس نے بادشاہ کی یہ تقریر سنی اور ہر گوشہ سے بالاتفاق جہاد کا نعرہ بلند ہوا، بادشاہ کی تقریر کا دل پر ایسا اثر ہوا کہ ہر شخص نے تسلیم خم کر کے بالاتفاق یہی کہا کہ شہادت سے زیادہ اور کون سی سعادت محبوب ہو سکتی ہے، ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا قول ہے کہ مارا تو "غازی" اور مرے تو "شہید" ہم سب شرعی قسم کھاتے ہیں کہ معرکۂ کارزار سے منہ موڑنے کا خیال تک نہ لائیں گے امیروں نے مزید اطمینان کے لئے اپنے عہد و پیمان کو حلف سے اور زیادہ مضبوط کیا، بادشاہ نے جس کا یہ حال تھا کہ کسی وقت بھی اسے بلا ساقی و شراب چین نہ تھا، مصلحتِ وقت کے لحاظ سے بادہ نوشی بالکل ترک کر دی بلکہ تمام منکرات یہاں تک کہ ریش تراشی سے بھی توبہ کر لی۔"

جس سلطنت کی بنیاد اس عزم و حزم اس جانبازی و جاں سپاری اور رضائے خدا کے عہد و معاہدہ پر ہوئی تھی اور جس کے اولوالعزم بانی کے جانشینوں میں ہمایوں جیسا عالی ہمت، اکبر جیسا اولوالعزم، اور اورنگ زیب جیسا مردِ آہن پیدا ہوا، رفتہ رفتہ وہ کس طرح سلطنتوں کے زوال اور شاہانِ قدیم کی عیش کوشی اور خود فراموشی کے راستہ پر پڑ گئی اس کا ایک نمونہ محمد شاہ (۱۷۱۹ء–۱۷۴۸ء) کی زندگی اور اس کے محل و دربار کا نقشہ ہے جو عوام کی زبان میں "رنگیلے" کے نام سے مشہور رہے، اس کا تذکرہ ایک مورخ نے حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے جو تاریخ کی شہادتوں پر مبنی ہے:۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

علاؤ الدین راجوی

ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

سالم کہتے ہیں کہ میں اور فوج اتفاقاً لبنان کی پہاڑیوں کی طرف نکل آئے اچانک وہ ٹھٹکے، اور کہا کہ سالم تم کو ابھی میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئے میں سراپا انتظار بنا مسلسل تین دنوں تک کھڑا رہا تین دن کے بعد جب واپسی ہوئی تو ان کی شکل و صورت کی عجیب حالت ہو گئی تھی، چہرے کا رنگ متغیر تھا، بال پراگندہ تھے، جسم پیلا پڑ گیا تھا میں نے ان کی حالت دریافت کی، کیا آپ کسی مصیبت میں گرفتار تو نہیں ہو گئے تھے یا کسی درندہ نے راستہ روک لیا تھا؟ انہوں نے انتہائی متانت سے جواب دیا میں ان عوارض و لواحق سے نہیں ڈرتا بلکہ میں فلاں پہاڑ کے ایک غار میں پہونچا تو وہاں عجیب ہی منظر دیکھنے میں آیا۔ ایک بزرگ انتہائی نحیف و لاغر، کمزور و ناتواں، بال بالکل سفید، چہرے پر زردی حالت انتہائی قابلِ رحم گویا کسی قبر سے اٹھ کر آ رہے ہوں لیکن اس کے باوجود صلوٰۃ و صوم اذکار و نوافل میں ہمہ وقت مشغول و منہمک۔ میں نے سلام کیا لیکن وہ جواب دے کر دوبارہ نماز میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ عصر کا وقت ہو گیا عصر کے بعد تسبیح و تہلیل میں لگ گئے میں نے عرض کیا حضرت کچھ نصیحت کیجئے، فرمایا، خدا سے زیادہ سے زیادہ قربت اختیار کرو، یہ کہہ کر خاموش ہو گئے میں نے کہا حضرت کچھ اور۔۔۔۔؟ فرمایا خدا سے قریب سے قریب تر ہو جاؤ وہ تمہیں چار خصلتیں عطا کرے گا۔ بلا جاہ و حشم کے عزت حاصل ہوگی، بغیر طلب و کوشش کے علم حاصل ہوگا بلا مال و دولت کے غنی حاصل ہوگا اور بلا جماعت و کثرت کے انسیت محسوس ہوگی۔ اتنا کہہ پائے تھے کہ ایک جگر دوز چیخ کے ساتھ ہی بیہوش ہو گئے۔ تین دنوں تک بیہوشی طاری رہی میں سمجھا کہ کام تمام ہو چکا ہے افاقہ ہونے کے بعد وضو کیا اور فرمایا، میرے بیٹے کتنے فرائض چھوٹے ہیں؟ ایک یا دو؟ میں نے عرض کیا کہ مسلسل تین دن کی نمازیں فوت ہوئی ہیں، فرمایا محبوب کی یاد نے میرے ذوق و شوق میں اور اضافہ کر دیا اور محبوب کی محبت نے عقل چھین لی ہے۔ مزید فرمایا مجھے مخلوقات سے ملنے جلنے میں وحشت سی ہوتی ہے مجھ کو تو پروردگارِ عالم کی یاد اور اس کے ذکر و شغل میں لطف آتا ہے

یہ کہہ کر دوبارہ بیہوشی طاری ہوئی اور بے حس و حرکت خاموش پڑے رہے میں نے جھنجھوڑا لیکن وہ دنیا چھوڑ چکے تھے ابھی چند لمحات بھی نہ گذرے ہوں گے کہ عباد و زہاد کا ایک ہجوم پہاڑ کے نشیب سے آتا دکھائی دیا وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی تجہیز و تکفین کی گیا میں نے ان سے ان کا نام دریافت کیا تو بتایا کہ یہ شیبان تھے جب شام کے لوگوں نے حقیقت معلوم کرنی چاہی تو معلوم ہوا کہ لوگ اسے پاگل و دیوانہ سمجھتے تھے، بچوں کے پریشان کرنے سے عاجز آ کر وہ شہر چھوڑ چکے تھے۔ میں نے پوچھا کوئی قابلِ ذکر بات چھوڑ گئے ہیں، کہا کہ ہاں جب وہ زیادہ پریشان ہو جاتے تو بار بار ایک ہی جملہ دہراتے، "میرے محبوب اگر میں تیری یاد میں دیوانہ نہ ہوں تو اور کون سی ہستی ہے۔۔۔"

(صفۃ الصفوۃ)

ابو قدامہ شامی کہتے ہیں کہ میں امیر الجیش (کمانڈر انچیف) تھا، میں نے لوگوں کو آمادۂ جنگ کیا، انہیں جہاد کی ترغیب دی، اس کے فضائل بیان کئے، ثواب کی امید دلائی اور ایک زوردار خطبہ دیا مجمع ختم ہونے کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے میں بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے گھر کا رُخ کیا راستے میں ایک حسین و جمیل صنفِ نازک ہمیں پکار رہی تھی یا قدامہ قدامہ۔۔۔۔ میں نے دل میں سوچا یہ تو شیطان کی چال ہے۔ لہٰذا بے التفاتی برتی اور چلتے بنا۔ دوبارہ اس نے آواز دی اور کہا سلف صالحین تو اس طرح نہ تھے میں یہ سُن کر چار و ناچار رُک گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی ایک رقعہ اور ایک گٹھری تھما دی اور روتے ہوئے جانے لگی۔ میں نے رقعہ کھولا اس میں مندرجہ ذیل عبارتیں مرقوم تھیں:۔

"آپ نے ہمیں جہاد کی دعوت دی ہے۔ اس کے فضائل بیان کئے ہیں۔ ثواب کی امید دلائی ہے لیکن افسوس ہے کہ میں جہاد میں شرکت ہونے کی قدرت نہیں رکھتی، ہاں آپ کی خدمت میں اپنی محبوب ترین چیز جو میری اپنی ذات سے متعلق ہے پیش کرتی ہوں۔ یہ میرے بالوں کی دو زلفیں ہیں شاید آپ گھوڑے کی سواری کے لئے رسے کے کام آ سکیں

اور شاید خدا اسی پر ہماری بخشش فرما دے۔"

جس صبح میدانِ کارزار گرم تھا ایک بچہ دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا، اور اپنی بہادری کا جوہر دکھا رہا تھا میں تیزی سے آگے بڑھا اور کہا عزیز بچے ہو میں نہیں کہہ سکتا کہ کب تم گھوڑے سے گر پڑو اور پیروں تلے دب جاؤ۔ لہٰذا تم میدان چھوڑ دو۔ بچے نے بے ساختہ جواب دیا آپ بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے روکتے ہیں کیا یہ ارشادِ خداوندی آپ تک نہیں پہونچا،

"یاایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جہنم وبئس المصیر۔"

یہ سُنکر میں چلتا بنا لیکن اس کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی میں پکار کر وہ کہہ رہا تھا جناب! ہمیں تین عدد تیر بطور قرض چاہئے۔ میں نے کہا یہ قرض کے لین دین کا وقت نہیں ہے لیکن وہ اپنی بات پر مصر تھا۔ میں نے کہا ایک شرط پر دے سکتا ہوں اگر تمہیں شہادت نصیب ہوئی تو تم مجھے شفیع ہوگے اس نے حامی بھر لی۔ میں نے تین تیر دے دئے۔ اس نے تیر کمان میں رکھی سلام کیا اور ایک رومی پر نشانہ باندھا نشانہ صحیح تھا رومی ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا تیر بھی کارگر ثابت ہوا تیسرا تیر نشانے میں تھا اور یہ اس کا آخری داؤ تھا کہ ایک رومی کا نشانہ نے خطا نہیں کی لیکن ہوا یہ کہ ایک تیر اس کے سینے کو چھیدتے ہوئے پار ہو گیا اور اس کا چہرہ ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ میں قریب ہی کھڑا تھا کہا یاد رہے تو نے مجھے شفیع بنایا ہے، جواب دیا ہرگز نہیں لیکن ایک ذمہ داری آپ کے سر ڈالتا ہوں جب آپ مدینہ آئیں تو میری والدہ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں انہیں مختصر سا یہ سامان پیش کر دیں۔ وہ میری ہی ماں تھیں جنہوں نے آپ کو بالوں کی دو زلفیں عطا کی تھیں کہ آپ کے کام میں آ سکیں میری طرف سے سلام پیش کر دیں سال ابتداء میں میرے والد کی موت سے پریشان ہوئی تھیں اور اب میری موت ان کی پریشانی میں مزید اضافے کا باعث ہے گا۔ اس کے بعد اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی میں نے قبر تیار کی اس کو دفن کیا، چند ہی دنوں کے بعد وہ قریب پہنچا تو لوگوں میں

چہ میگوئیاں ہونے لگیں بعض لوگوں نے کہا کہ شاید اپنی ماں سے اجازت نہ لینے کا نتیجہ ہے میں نے کہا ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے ورنہ اس زمین نے تو گناہ گاروں کو بھی پناہ دی ہے۔ لوگوں کو ہاتھ اٹھانے کو کہا میں نے خود بھی وضو کیا دو رکعت نماز پڑھی پھر خدا سے دعا کی۔ اتنے میں ایک آواز آئی کوئی کہہ رہا تھا ابو قدامہ یہ تو ولی اللہ ہے خدا کا محبوب والا لائے ہے تم آگے سے چھوڑ دو خدا کی شان کہ کچھ ہی دیر کے بعد بھوری بھوری چند سفید چڑیاں آئیں اور اسے صاف کر گئیں۔ میں اس کی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دستک دی تو اس کی بچی نکلی ہمیں دیکھ کر دوڑتی بھاگتی اپنی ماں کے پاس آئی کہنے لگی ماں! اماں! ابو قدامہ آ گئے ہیں، بھیا کہاں ہے، والد سے بچھڑنے کے بعد شاید اب بھائی کو بھی دیکھنا نصیب نہ ہو۔ ماں باہر نکلی اور کہا آپ تعزیت کے لئے تشریف لائے ہیں یا مبارکباد دینی کرنا چاہتے ہیں۔ میں مضطرب ہوا جملے کا مطلب دریافت کیا اس نے بتایا کہ اگر مر گیا ہوگا تو آپ ہماری تعزیت کریں گے ہمیں تسلی دینے کی کوشش کریں گے لیکن اگر خدا کی راہ میں شہید ہوا ہوگا تو مبارکباد پیش کریں گے میں نے کہا وہ تو جامِ شہادت نوش کر چکا ہے۔ عورت نے علامت کا مطالبہ کیا، میں نے سارا واقعہ ذکر کر دیا، اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ میں نے سامان اس کے حوالے کر دئے جب گٹھری کھولی تو ایک خاص قسم کا کپڑا اور لوہے کا ایک طوق نکلا پھر اس نے بتایا کہ رات کی گہری تاریکی جب پھیل جاتی تھی لوگ محوِ خواب ہو جاتے تھے وہ اسی لباس کو پہن کر اپنی گردن میں طوق ڈال کر اپنے مولا سے دعائیں مانگتا۔

کسی نے حاتم اصم سے پوچھا کہ آپ کے اندر توکل علی اللہ کی ایسی صفت کیونکر پیدا ہوئی کہنے لگے کہ چار چیزیں ہیں جن کو میں برتتا ہوں۔

پہلی چیز تو یہ کہ مجھے معلوم ہے کہ میرے حصے کی روزی کوئی دوسرا نہیں چھین سکتا تو مجھے اپنی ذات پر اطمینان ہے دوسری بات یہ کہ مجھے معلوم ہے کہ میرے حصے کا عمل کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تو میں ان کے بجالانے میں مشغول و منہمک رہتا ہوں۔ تیسری بات یہ کہ یقین کامل ہے کہ موت ایک دن آئے گی۔ میں نے اس کی تیاری کر رکھی ہے۔ چوتھی بات یہ کہ میں جانتا ہوں کہ خدا کی نگاہ سے نہیں بچ سکتا لہٰذا میں اس کی مرضی کے خلاف ورزی کرنے سے شرماتا ہوں۔

(صفۃ الصفوۃ)

افریقہ میں یہودیوں کی سرگرمیاں

عبد الرشید فاروقی

اسرائیلیوں نے چند سالوں میں بہت سے افریقی ممالک سے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی تعلقات قائم کرلئے ہیں۔ وہ تجارتی، صنعتی اور فنی ایجنسیوں کے ڈائرکٹرز، سرمایہ داروں، اسلام دشمن اور مشنری سوسائٹیوں اور افریقی لیڈروں کے ذریعہ سے قلب افریقہ میں اپنے اقتدار کو بڑھانے کی کوشش کررہے ہیں۔ یہودیوں کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ اصحاب ثروت اور بڑے زعماء سے پینگیں بڑھا کر چور دروازہ سے داخل ہوتے ہیں۔ افریقی ممالک سے دوستی ضرور قائم ہوئی ہے لیکن اس کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ متعدد ممالک اس سلسلے میں کوئی خاص رائے نہیں رکھتے بلکہ صیہونیت کے مخالف دشمن ہیں۔

گو افریقی عوام ان فوائد کو نظر انداز نہیں کر پاتے جن کی افریقی قومیں ضرورتمند ہیں اس لئے ان مصالح کا لحاظ کرتے ہوئے اسرائیل ترقی پذیر ممالک پر خوب مہربانیاں کرتا ہے۔ افریقی وفود کا بھی پُرجوش استقبال، ٹریننگ اور اسرائیلی ماہرین کی فراہمی کے ذریعہ وہ اپنا دائرہ وسیع تر کرتا ہے۔

اس طرح یہودی خطرہ دو چند ہوتا جارہا ہے لیکن یہ مسئلہ محض اسرائیل کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک بڑی تحریک کا مسئلہ ہے جسے ماسونیہ تعاون دیتی رہتی ہے اور اس طرح یہودیت افریقہ میں صرف پرورش ہی نہیں پا رہی ہے بلکہ ہر افریقی باشندے سے مصافحہ کررہی ہے۔ جدید استعمار کے فروغ اور اسلامی تحریکوں کے محاصرہ میں پُرزور حصہ لے رہی ہے۔ اور قتل، دہشت پسندی، جلاوطنی کے سہارے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کررہی ہے۔ شاہ حبشہ کے قتل عام میں صیہونی عناصر کا حصہ تھا اسی طرح اسلامی ممالک سے علیحدگی پسندی کی تحریکوں اور فوجی انقلابات میں اسی کا عمل دخل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر بیافرا اور جنوبی سوڈان کی تحریکوں میں صیہونیت نے سیاسی، مالی، اقتصادی، فوجی حتیٰ کہ معلومات و اطلاعات کے ذریعہ امداد کی۔ چنانچہ افریقہ کی انقلابی حکومتوں نے اسرائیل سے معاہدوں کے لئے ہاتھ بڑھایا اور اگر کچھ مسلمان لیڈر یہودیت کے ناپاک مقاصد کے خلاف خلوص سے آگاہ کرتے ہوتے تو وہ کچل دئے جاتے ہیں۔

ایک یہودی ماہر زراعت ڈیوڈ [illegible] نے صیہونیت کے غلبہ و نفرت کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ "اسرائیل کی سیاست کی کامیابی کا ایک دوسرا سبب یہ ہے کہ اس نے ترقی پذیر ممالک سے گہرے تعلقات قائم کرلئے ہیں۔

عربوں کے سیاسی اور اقتصادی حصار کو توڑنے میں آسانی اس وجہ سے ہوئی کہ اسرائیل اپنی مصنوعات کی بنیاد پر اندر اور باہر کامیابی حاصل کرنے لگا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ترقی پذیر ممالک سے اسرائیل کے تعلقات ابتدائی مراحل سے آگے بڑھ گئے ہیں اور بڑی حد تک استوار بھی ہوگئے ہیں۔ تعلقات کی اس استواری سے اسرائیل کی مرکزیت قوت حاصل ہوتی ہے اور اس کے بالمقابل عربوں کی پوزیشن گھٹتی نظر آتی ہے۔

اسرائیلی رہنماؤں کا یہ خیال ہے کہ ہماری پالیسی کے دو تختے ہونے چاہئیں۔ ایک یہ کہ عسکری قوت دو چند ہو اور شاطرانہ سیاسی کوششیں ہوں انہیں دو چیزوں کی بدولت عربوں سے مقابلہ آسان ہوسکے گا۔

۱۹۶۰ء میں بن گوریان نے اپنے ایک خط میں کہا تھا کہ ہم امن کا معاہدہ کرنے کے لئے اپنے پڑوسیوں پر جبر تو نہیں کرسکتے مگر پڑوسی عربوں کا غصہ کم کرنے یا امن و سلامتی قائم کرنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہم افریقی اور ایشیائی ممالک سے زیادہ سے زیادہ دوستی قائم کرلیں۔ موشی دیان بھی اسرائیلی، افریقی تعاون و اتحاد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ بیرونی دنیا سے یہ روابط اسرائیل کے لئے کلیدی اور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ بیرونی دنیا کو عربوں نے اسرائیل کا دشمن بنادیا ہے جبکہ یہ تعلقات ہی سلامتی کے راستے کھولتے ہیں۔

وہ افریقی ایشیائی مسلم طلبہ جو اسرائیل کے معہد العلم میں زیر تعلیم ہیں اپنے ایک خط بنام اقوام عالم لکھتے ہیں کہ ہم تو یہاں اس لئے آئے تاکہ تعلیم حاصل کریں اور اپنے ملک و وطن کی ترقی کے لئے ضروری تجربات سے بہرہ ور ہوں۔ لیکن ہمارا بیشتر وقت اسرائیلی مصنوعات و ایجادات کی کامیابیوں [illegible] اور پروپیگنڈہ [illegible] سے متاثر کرنے میں [illegible] اور ہماری کوششیں ہمیں اسرائیل کا وفادار دوست بنانے پر صرف کی جاتی ہیں۔ ادھر [illegible] کے اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جاسکے۔ ہماری فکر و روش کو بدلنے کے لئے انتھک جدوجہد جاری رہتی ہے اور بعض حالات میں تو اسرائیلی محکمے جاسوس کے ایجنٹ ہمیں اپنا آلۂ کار بنانے کی سعی فرماتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ ہمارے دروس میں سے نصف وقت اسی کام کے لئے مخصوص ہے۔

ہم پر یہ عیاں ہوچکا کہ اسرائیلی اور امریکی ایجنٹ مسلم طلبا کی فکر کو بدلنے کے لئے نت نئی اسکیمیں چلاتے اور پروگرام کرتے ہیں اور یہ ایک قیمتی بات ہے اس لئے کہ ہماری تعلیم و اسٹڈی کے لئے جس ملک سے مال و اسباب کی فراہمی ہوتی ہے وہ ہے امریکہ۔

ڈاکٹر حسن زہرہ حافظ عابدین نے مشرقی افریقی ممالک کا دورہ کرنے کے بعد صیہونیت کے افریقہ میں گھس جانے کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وزرا اور سیاسی رہنماؤں اور صاحب اقتدار افریقیوں کو اسرائیل میں دعوت دی جاتی ہے جہاں اسرائیل انہیں اپنے آبپاشی، قوت پیداوار اور مختلف میدانوں میں ترقی و سرگرمیوں کے بارے میں مطلع کرتا ہے تاکہ اس کے لئے ان میزبانوں کے دل میں اور وطن میں گنجائش نکل سکے اور مختلف سطح پر مدد کے لئے دروازہ کھل سکے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ملک کی ضرورت اور حکومت کی خواہش کے مطابق اسرائیل اپنی خدمات پیش کرنے کو ہر وقت تیار ہے — سچ تو یہ ہے کہ انگریز اور یورپین برابر حقیقی اقتدار پر قابض چلے آرہے ہیں یہ بات آزاد ملکوں میں بھی ہے۔ کیونکہ وہاں کے تمام استعمار پسند باشندے اسرائیل کے لئے راستے ہموار کرتے ہیں اور آسانیاں فراہم کرتے ہیں۔ افریقی ممالک کے وفود کو ثقافتی پروگرام کرنے کے لئے خوب دعوت دی جاتی ہے۔ تاکہ ان کے ذریعہ مختلف طاقتوں کو قابو میں رکھا جاسکے اور اسرائیلی خواہشات و پالیسی کے نفاذ میں کامیابی ممکن ہو جائے۔

اسرائیل کا مقصد یہ ہے کہ وہ افریقی ممالک کی تائید حاصل کرے اور اس طرح افریقی قائدین کے نزدیک اس کے قدم جم جائیں کہ وہ تاریخی، جغرافی، اقتصادی اعتبار سے ترقی پذیر ایفرو — ایشیائی دنیا کا حقیقی جزء قرار پا جائے۔ اس ارادہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اسرائیلی کوششیں مختلف سطح پر جاری ہیں مثال کے طور پر افریقی اسرائیلی قوموں کے تاریخی اتحاد پر زور دینا، ماہرین، انجینئروں اور فنکاروں کی جماعتوں کو یکے بعد دیگرے روانہ کرنا، اپنے تعاون و مدد کے ذریعہ افریقیوں کو ان کی جنگ آزادی میں جھوٹی حمایت کرنا۔ اپنی مصنوعات و منسوجات کے لئے علیحدہ منڈی اور مارکیٹ قائم کرنا اور برآمدات کا اصل محور افریقہ کو قرار دینا، افریقی اسرائیلی نظریہ اتحاد کی ترویج پر زور دینا وغیرہ۔

دراصل افریقہ سے دوستی گانٹھ کر ایک ایسا مضبوط توازن حاصل کرنا مقصود ہے جس کے ذریعہ اسرائیلی مفاد و مصلحت کو بروئے کار لایا جاسکے۔ انتھک جدوجہد کے نتیجہ میں ہی اسرائیل ۳۸ ممالک میں سے ۳۱ ممالک سے ۱۹۶۳ء تک سیاسی تعلقات قائم کرلینے میں کامیاب ہوگیا اور ۳۱ میں ۲۹ ایسے ممالک ہیں جن سے سفارتی سطح پر تعلقات قائم ہوچکے ہیں۔ اسی طرح افریقی ممالک میں یہودی سیاحوں اور دورہ کرنے والوں کی تعداد ۱۹۶۵ء تک ۵ لاکھ ۱۰ ہزار ۶۸۰ تک جا پہونچی اس سے یہودیوں کی عملی سرگرمیوں کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

نائجیریا میں سرگرمیاں تیز ہوئیں زراعتی اقتصادی ہتھکنڈوں سے کام لیا گیا لیکن سب جلد ہی ناکام ہوگیا کیونکہ وہاں مسلم قوم خواب گراں سے بیدار ہوگئی۔ اسرائیلی شاطرانہ چالوں کا اندازہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ کبھی وہ امداد و تعاون کے نام پر مداخلت کرتا ہے اور اپنے لئے راہیں بناتا ہے تو کبھی علیحدگی پسندی کی تحریک چلا کر اپنا کام بناتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مختلف مراحل میں عیسائی مشنریاں، عیسائی حکومتوں سے گٹھ جوڑ کرکے افریقی قوموں کو میٹھے نغمے سناتا ہے۔

ضرورت ہے

پندرہ روزہ "تعمیر حیات" کے لئے ہندوستان کے مختلف مقامات اور تجارتی مراکز میں دیانتدار اور محنتی گشتی سفیروں کی جو اشتہارات وصول کریں اور نئے خریدار بنائیں۔

خواہشمند حضرات اس پتہ پر خط و کتابت کریں۔ منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳ ندوہ لکھنؤ

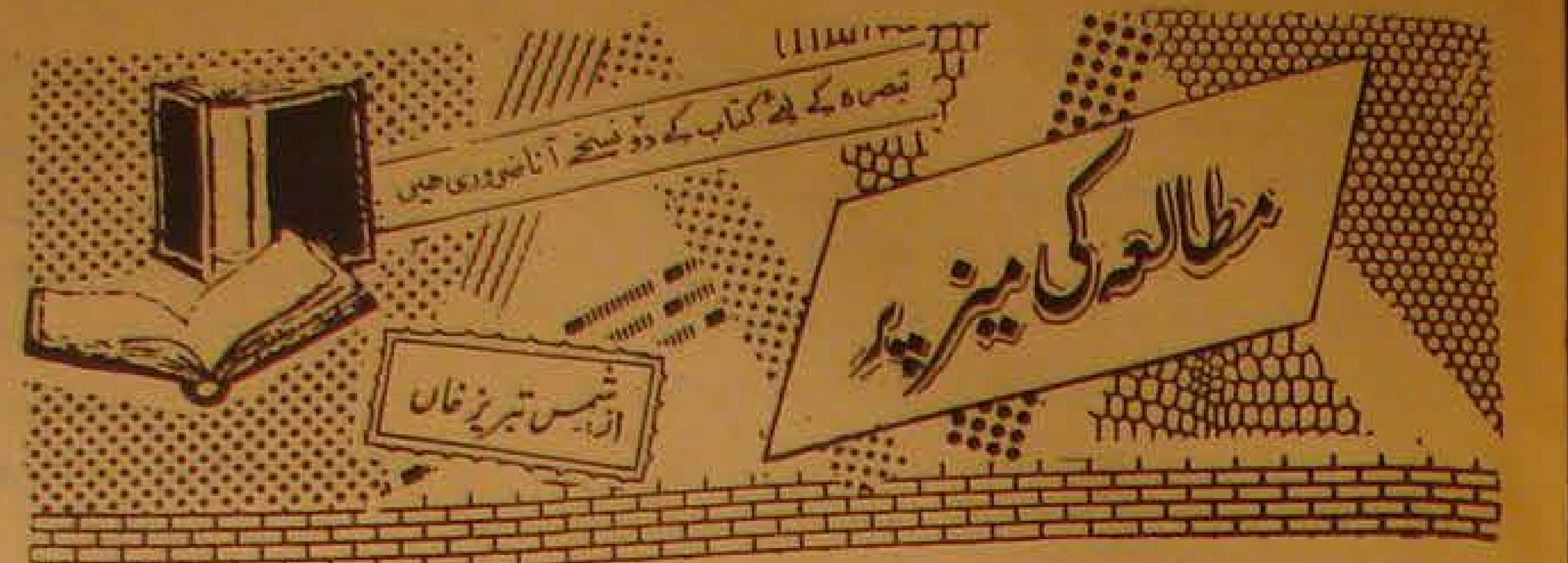

عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء:

از: محمود الحسن صاحب

صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۵ روپئے پتہ: مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر نئی دہلی

مصنف اردو دنیا کے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک نئے موضوع پر قلم اٹھایا ہے، اور بڑی حد تک اس کا حق بھی ادا کیا ہے، کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) عربوں کے عہد قدیم پر ایک نظر (۲) مغازی اور سیرت نگاری کا آغاز (۳) فتوح و احداث نگاری کا دور (۴) عالمی تاریخ نگاری کا مرحلہ (۵) فکر و فن: ایک جائزہ

محمود الحسن صاحب نے بڑی تحقیق اور جدید انداز بحث میں اپنے موضوع پر قلم اٹھایا ہے، تقریباً تمام ہی عرب مورخین کا تعارف کرایا اور ان کی تاریخوں پر تبصرے کئے ہیں جن سے عرب تاریخ نگاری کے سلسلے میں بڑی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

کتاب میں کچھ فروگذاشتیں بھی ہیں مثلاً ابن اسحاق کا تعارف ہے وہیں ابن ہشام کا بھی تعارف ہونا چاہئے تھا، ایک اہم سیرت نگار کو نظر انداز کردینے کے کوئی معنی نہیں، عرب تاریخ کے اہم ماخذ میں کتاب المحبر لابن حبیب البغدادی، کتاب الاصنام للکلبی، الانساب للسمعانی، کتاب الاوائل للعسکری، التراتیب الاداریہ للکتانی، تمدن عرب موسیو لیبان سے کوئی استفادہ نہیں کیا گیا ہے، جب کہ ان میں بہت بڑا تاریخی مواد موجود ہے۔ اسی طرح مولف شبلی و مولانا سید سلیمان ندوی کی تحقیقات کو بھی نظر انداز کردیا گیا ہے۔

ص۱۹۸ پر جہاں ابو حنیفہ دینوری کو ماہر لسانیات و فلکیات بتایا گیا ہے وہیں اسے ماہر نباتات اور دوسرے فنون کا ماہر بھی بتانا تھا، اسی طرح عرب تاریخ نگاری کا غیر عرب تاریخ نگاری سے موازنہ کا ایک باب بھی ہوتا تو کتاب کی افادیت اور بڑھ جاتی۔

بعض عبارتیں بھی محل نظر محسوس ہوتی ہیں جیسے "ان کا مشورہ تھا کہ موسیٰ کی مغازی لے لو کیونکہ وہ قابل تعذیب ہے۔ ص۶۳ جا بجا پر کھ ص۲۸، ص۱۵۰ پر ابو عبیدہ کی کتاب ایام الاماعز لکھی گئی ہے حالانکہ الصغیر لکھنا چاہئے تھا۔ اسی طرح ص۲۱۲ پر سخاوی کی کتاب کا نام "الاعلان بالتوبیخ" لکھا ہے جس کا صحیح املاء بالتوبیخ بنتا ہے۔ بالخصوص کا املا صفحات ۹۱، ۱۹۱، ۱۹۲ پر بالخصوص لکھا گیا ہے۔

ص۱۵۱ پر ہے "ایک کتاب تالیف کیا تھا" "تالیف کی تھی" ہونا چاہئے۔

کتابت میں بھی بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں جیسے اسد الغابہ، صفۃ الصفوۃ، الطبقات ابن سعد، حلیۃ الاولیاء وغیرہ۔

بہرحال ان معمولی فروگذاشتوں سے کتاب کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کتاب ہر اہل علم کے ہاتھ میں جانے کے لائق ہے۔

مخدوم علی مہائمی:

از: مولانا عبد الرحمن پرواز اصلاحی

صفحات: ۳۱۲ قیمت: ۱۶ پتہ: نقش کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ - ۴۴ جیل روڈ ایسٹ - ڈونگری، بمبئی

مخدوم علی مہائمی کی تفسیر تبصیر الرحمان زندہ اور متداول تفسیروں میں ہے جن سے آج بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ مولانا عبد الحی صاحب نے "یاد ایام" میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ:

"میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے سوا حقائق نگاری میں ان کا کوئی نظیر نہیں" انہوں نے مہائمی کو ابن عربی ثانی بھی لکھا ہے۔

ایسی جلیل القدر شخصیت کے بارے میں صرف چند رسالے ملتے ہیں، مولانا عبد الرحمن صاحب ہم سب کے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے شیخ مہائمی پر صرف عقیدت و محبت ہی کے ساتھ نہیں بلکہ پوری تحقیق و دیدہ وری کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ اور جدید و قدیم ماخذ سے استفادہ کیا ہے۔ مہائم کی تاریخ، شیخ کے حالات زندگی، صوفیاء سلسلے، تصنیفی کارناموں، ان کی تفسیری خصوصیات، فلسفہ وحدۃ الوجود اور ان کے افکار پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ خصوصاً وحدۃ الوجود پر بہت سا مواد فراہم کردیا ہے۔ امید ہے کہ علماء و طلباء کے علاوہ عام اردو داں بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ کتاب، جس طباعت سے بھی مرصع ہے۔

اصول فہرست نگاری:

از: سید محمود حسن قیصر امروہوی

صفحات: ۱۹۰ - قیمت درج نہیں

پتہ: ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

کتاب میں مشرقی کتب خانوں کے لئے اصول و ضوابط متعین کئے گئے ہیں، اور لائبریری سائنس کے جدید تقاضوں کے مطابق مشرقی کتب خانوں کو ترتیب و تنظیم پر زور دیا گیا ہے اور ان قواعد کو برت کر بھی دکھایا گیا ہے۔ فہرست سازی کی بہت سی مشکلات و مسائل کا حل بھی پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً کتابوں اور ان کے مصنفین کے ناموں کے اندراج کی صحیح صورتیں تفصیل سے بتائی گئی ہیں، اخیر میں فہرست سازی کی مصطلحات بھی دے دی گئی ہیں۔ غیر سرکاری کتب خانے اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں، کتاب عمدہ ٹائپ اور کاغذ پر چھپی ہے۔

از: عبد الرشید ندوی

نام کتاب: رحمت عالم (ہندی) مترجم: بلال اصغر

صفحات: ۱۱۰ صفحات سائز: ۱۸×۲۲ قیمت: تین روپئے۔ ناشر: مکتبہ [illegible] دیوبند

پیش نظر کتاب سید سلیمان ندوی کی معروف کتاب "رحمت عالم" کا ہندی ترجمہ ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ عرصہ ہوا شائع ہوچکا ہے۔ مترجم مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے وقت کے ایک تقاضہ کو پورا کردیا، ان مسلم طلباء کے لئے یہ ایک بہت مفید کتاب ہے جن کی مادری زبان ہندی ہوگئی ہے۔ امید ہے کہ جس طرح یہ کتاب اردو اور انگریزی میں مقبول ہوئی اسی طرح ہندی میں بھی مقبول ہوگی اور لوگوں سے خراج تحسین حاصل کرے گی۔

نام کتاب: صلاح الدین اعظم - مصنف: ذاکر ندوی - ضخامت: ۱۰۴ صفحات

قیمت: تین روپئے - ناشر: علمی منزل، میکو بازار - ضلع بستی

یہ کتاب ایک ندوی شاعر کی تخلیق ہے جس میں انہوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی کے تمام کارنامے ایک اچھوتے اور نرالے انداز میں پیش کردئے ہیں۔ یہ کتاب حفیظ جالندھری کے شاہنامہ کی یاد دلاتی ہے۔ مصنف کی ایک اور کتاب "چار درویش نامہ" دو جلدوں میں اسی طرز پر منظر عام پر آچکی ہے۔ امید ہے کہ شاہنامہ کی طرح یہ کتاب بھی مقبول خاص و عام ہوگی۔

نام کتاب: اعمال نامہ: مصنف: ذکی کاکوروی

ضخامت: ۱۵۲ صفحات سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت: پانچ روپئے

ملنے کا پتہ: مرکز ادب اردو ۱۳۰ شاہ گنج لکھنؤ (۲) اردو پبلشرز [illegible] لکھنؤ

یہ کتاب تین مضامین (۱) سیاہی کی ایک بوند کی ادبی قدر و قیمت (۲) اترپردیش اردو اکاڈمی (۳) انعام یافتہ کتابوں کی کیفیت پر مشتمل ہے، پہلے مضمون میں آنند نرائن ملا کی کتاب "سیاہی کی ایک بوند" کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس کتاب کے اکثر اشعار میں فلسفہ جنسی اور دیگر قسم کا سقم پایا جاتا ہے، کچھ نظمیں ایسی بھی ہیں جن کا کوئی مقصد نہیں معلوم ہوتا [illegible] اور نقاد [illegible] نے ملا کی شاہکار تخلیق کیسے تسلیم کرلیا۔

دوسرے مضمون "اترپردیش اردو اکاڈمی" میں یہ بتایا گیا ہے کہ اکاڈمی نے جو انعامات تقسیم کئے ہیں ان میں غیر جانبداری سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ شخصیتوں کو دیکھ کر ان کو انعامات دئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں مصنف نے کئی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

تیسرے مضمون "انعام یافتہ کتب کی کیفیت" میں موصوف نے بتایا ہے کہ کس طرح اکاڈمی نے فحش، بیہودہ اور مخرب اخلاق کتب کو انعام سے نوازا ہے جس کی سب سے بہترین مثال [illegible] کی کتاب "[illegible]" ہے جس میں بقول ذکی صاحب زندگی کی اخلاقی اور تہذیبی قدروں کی شعوری پامالی کے سوا کوئی بات قابل ذکر نہیں [illegible] کتاب فحشیات اور خرافات کا بہترین نمونہ ہے جس کو [illegible] ہونا چاہئے تھا۔

نام کتاب: علمی انتخابی ڈائجسٹ ایڈیٹر: حفیظ خاں

صفحات ۱۰۰ صفحات سائز: ۲۰×۳۰/۸ سالانہ چندہ ۱۰ روپئے - پتہ: ڈائجسٹ [illegible] کلکتہ

یہ ایک نئے ڈائجسٹ کا پہلا شمارہ ہے جو کلکتہ سے طبع ہوا ہے اور علمی، ادبی، سماجی، سیاسی [illegible]

مضامین پر مشتمل ہے۔ یوں تو ہندوستان سے بہت سے ڈائجسٹ نکلتے ہیں لیکن وہ یا تو خالص مذہبی ہیں یا صرف سیاسی و ادبی۔ لیکن یہ ڈائجسٹ دونوں قسم کے مضامین کا ایک حسین گلدستہ ہے جو ہر قسم کے ذوق کی تشنگی رفع کرتا ہے۔ ذمہ دار حضرات قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے وقت کے تقاضہ کو سمجھ کر یہ نیا قدم اٹھایا۔ خدا کرے ان کی یہ کوشش بار آور ہوں اور یہ رسالہ آسمانِ علم و ادب پر آفتاب بن کر ابھرے اور اس کی کرنیں دنیائے علم و ادب کو بقعۂ نور کرتی رہیں اور اس کا ہر نقش، نقشِ اول سے بہتر ثابت ہو۔

نام کتاب: سیرتِ رسولؐ مترجم: [illegible] ندوی۔ ضخامت: ۲۵۲ صفحات۔ سائز: ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت: تین روپئے۔ ناشر: ادارہ ترجمہ و تالیف ۲۸ پھول بگان روڈ کلکتہ-۱۴

پیشِ نظر کتاب ابنِ قتیبہ دینوری کی عربی تصنیف "المعارف" کے اس حصہ کا ترجمہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ پر مشتمل ہے۔ مترجم نے بعض مستند کتب سے کچھ مفید حواشی اور نوٹ بھی دیئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

نام کتاب: یکساں سول کوڈ اور اس کا اسلامی احکام پر اثر
ضخامت: ۲۰ صفحات سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت: ۷۰ پیسے

نام کتاب: ضروری باتیں قرآن و حدیث کی روشنی میں
ضخامت: ۴۰ صفحات سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت: ایک روپیہ
ناشر: ادارہ ترجمہ و تالیف ۲۸ پھول بگان روڈ کلکتہ-۱۴

اول الذکر پمفلٹ میں یکساں سول کوڈ کی حقیقت اور اس سے اسلامی احکامات پر پڑنے والے اثرات کی وضاحت کی گئی ہے۔ ساتھ ہی مسلم پرسنل لا بورڈ کے پہلے اجتماع کا ذکر بھی ہے اور اس کی تجاویز بھی زینتِ کتاب ہیں۔

دوسرا پمفلٹ مختلف لوگوں کے مضامین کے اقتباسات پر مشتمل ہے جن میں روزہ کی اہمیت، رمضان کی فضیلت، شبِ قدر، رمضان میں حضورؐ کا معمول، روس اور امام بخاری، یہود اور ہم، رجالِ اسلام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

نام کتاب: نئے پھول ۔ نام مرتب: مجیب بستوی ۔ ضخامت: ۴۸ صفحات
سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت: دو روپئے۔ ناشر: انجمن افکارِ ادب سمریاواں بازار ضلع بستی

پیشِ نظر مختصر سی کتاب میں مرتب نے تقریباً ۴۰ نوخیز شعراء کا مختصر تعارف کرایا اور ہر شاعر کا نمونۂ کلام بھی دے دیا ہے۔ ان شعراء میں صرف اختر بستوی علمی و ادبی حلقوں میں معروف ہیں باقی تمام شعراء ابھی گمنامی کے دبیز پردوں میں چھپے ہوئے ہیں، بہت ممکن ہے ان کی صلاحیتیں اور جذبے ان پر سے گمنامی کے دبیز پردے ہٹا کر ان کو منظرِ عام پر لے آئیں۔

نام کتاب: مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں ۔ مرتبین: طلباء دار العلوم دیوبند
ضخامت: ۴۸ صفحات سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ: مولسری دار العلوم دیوبند سہارنپور

زیرِ نظر پمفلٹ دار العلوم دیوبند سے فارغ ہونے والے طلباء کے تأثرات پر مشتمل ہے۔ ہر طالب علم نے اپنے اپنے انداز میں دار العلوم میں آنے، وہاں سے کسبِ فیض کرنے اور وہاں کی بے فکری کی زندگی بسر کرنے کی کہانی اور پھر وہاں سے جاتے وقت اپنے قلبی تأثرات اور دلی جذبات کا اظہار کیا ہے البتہ اس کتابچہ کا نام موزوں نہیں ہے۔

گلاگ مجمع الجزائر

مصنف: الیگزنڈر سولزنسٹین ـــــ مترجم: پریم گوپال متل
ناشر: نیشنل اکاڈمی ۲-انصاری مارکیٹ، نئی دہلی نمبر ۱۱۰۰۰۲
قیمت لائبریری ایڈیشن: ۳۰ روپئے عام ایڈیشن: [illegible] روپئے

بے انصافی کو دیکھتے ہوئے بھی چپ رہنے اور احتجاج نہ کرنے کی بیماری عالمگیر ہوتی جا رہی ہے اور اس کی لپیٹ میں افراد ہی نہیں "اقوامِ عالم" کے مقتدر ادارے بھی آ گئے ہیں۔ الیگزنڈر سولزنسٹین کو ادب کا نوبل پرائز ملنے پر جو خطبہ اسٹاک ہالم میں پڑھنا تھا اور جسے وہ اس لئے نہیں پڑھ سکے تھے کہ وہاں چلے آتے تو روسی حکومت انہیں روس واپسی کی اجازت نہ دیتی، اس میں انہوں نے "اقوامِ متحدہ" کے بارے میں کہا تھا:

"اقوامِ متحدہ ایک بدکردار دنیا میں پیدا ہوئی تھی۔ افسوس ہے کہ پل بڑھ کر یہ خود بھی بدکردار ہو گئی۔ اقوامِ متحدہ کچھ قوموں کی آزادی کی حفاظت تو پلہ جو کسی سے کرتی ہے لیکن باقی قوموں کی آزادی کی طرف سے وہ اتنا ہی تغافل برتتی ہے۔ اقوامِ متحدہ ووٹ شماری کے سامنے بڑی سعادت مندی سے سر جھکا دیتی ہے اور کبھی اپیلوں پر غور و تحقیق کے سلسلے میں قدم اٹھانے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔ بیچارے عاجز، حقیر، عام افراد کی فریادیں، چیخیں اور التجائیں سن کر اس کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی ......"

بڑی حکومتوں کے درمیان مفاہمانہ سرگرمیوں کے نتیجے میں بزدلی کے اس رجحان کو اور تقویت ملی ہے۔ اس صورتِ حال میں بے انصافی کے خلاف اور صداقت کو واشگاف کرنے کے لئے جو آواز بھی بلند ہو، اس کا خیر مقدم کیا جانا چاہئے۔ الیگزنڈر سولزنسٹین کی آواز ایک ایسی ہی جری روح کی آواز ہے۔

الیگزنڈر سولزنسٹین جسے روسی حکومت نے اب جلاوطن کر دیا ہے، روس کے نظر بندی کے کیمپوں میں کئی سال گزار چکا ہے۔ ۱۹۵۵ء میں جب وہ کیمپوں کی غیر انسانی دنیا سے باہر آیا تو خود اپنی سرگذشت کے علاوہ وہاں کے دوسرے لاکھوں قیدیوں کی ہولناک کہانیاں اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ ۱۹۶۲ء میں اس کے ناول "آئیون ڈینی سووچ کی زندگی کا ایک دن" سوویٹ روس کے مشہور ادبی رسالے "نووی میر" میں ایڈیٹر کے اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوا۔

"... یہ ناول ہمارے دلوں سے ایک بوجھ اتارتا ہے۔ اس میں ایسی چیزوں کے بارے میں پورے خلوص کے ساتھ لرزہ خیز سچائیاں بیان کی گئی ہیں جن کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہتا تھا حالانکہ کہنے کی ضرورت بہت تھی ...."

لیکن اس کے بعد سولزنسٹین کی کوئی تحریر روس میں شائع نہ ہو سکی۔ وہ دوبارہ سوویٹ حکومت کے عتاب کا نشانہ بن گیا اور یہ سلسلہ آخر اس کی جلاوطنی پر منتج ہوا۔

"گلاگ مجمع الجزائر" میں الیگزنڈر سولزنسٹین نے اپنی وہی یادداشتیں قلمبند کی ہیں جو نظر بندی کے کیمپوں سے وہ ساتھ لے کر لوٹا ہے۔ ہر یادداشت ایک سرگذشت ہے کسی ایسی انسانی زندگی کی جو جبر کے ہولناک طوفان کی زد میں آ کر ہمیشہ ہمیش کے لئے برباد ہو گئی اور ایسی زندگیاں سیکڑوں نہیں ہزاروں نہیں، لاکھوں ہیں۔ الیگزنڈر سولزنسٹین کا کہنا ہے کہ:-

"اس کتاب کے سبھی واقعات اور کردار حقیقی ہیں۔ نہ کوئی فرضی نام دیا گیا ہے نہ کہیں تخیل کی رنگ آمیزی سے کام لیا گیا ہے۔ اگر کچھ اشخاص و واقعات کا ذکر رہ گیا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسانی حافظہ انہیں محفوظ نہ رکھ سکا۔"

کتاب کے ترجمہ میں مزید سلاست و روانی کی ضرورت تھی۔

رودادِ چمن

(ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشنِ تعلیمی کی مفصل روداد)

مرتبہ:- مولانا محمد الحسنی ندوی
مدیر البعث الاسلامی (دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

○ ایک دستاویز — ○ ایک کہانی — ○ ایک پیغام —

ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشنِ تعلیمی (منعقدہ نومبر ۱۹۷۵ء) کی تفصیلی رپورٹ، جس کا آپ کو شدت سے انتظار تھا، منظرِ عام پر آ گئی ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ایماء پر یہ روداد مرتب کی گئی ہے، اس میں شیخ الازہر کے خطبۂ صدارت، اہم اور علمی تقاریر و مقالات کے علاوہ ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز ماضی کی سرگذشت، حال کا جائزہ اور مستقبل کا خاکہ مولانا عبد السلام قدوائی ندوی کے قلم سے تفصیلی طور پر پیش کیا گیا ہے۔

پوری کتاب دار العلوم کی خوبصورت عمارتوں کی تصاویر نیز دورانِ اجلاس نمازِ جمعہ کے دلفریب منظر سے بھی مزین ہے۔

○ خوبصورت رنگین ڈسٹ کور ○ دیدہ زیب گٹ اپ

ضخامت: ۳۰۰ صفحات (علاوہ تصاویر) قیمت: مجلد صرف پندرہ روپئے

ملنے کا پتہ:
مکتبۂ دار العلوم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس ۹۳، لکھنؤ

بقیہ صفحہ ۶

[illegible]

... دنیا کے ہزاروں سال کی تاریخ اور اقوام و ملل کے عروج و زوال کا خلاصہ پیش کر دیا ہے وہ کہتے ہیں:

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

[illegible]

اقبال ہی کا شعر ہے:

کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا
اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

[illegible]

> جوانوں کو مری آہِ سحر دے
> پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
> خدایا آرزو میری یہی ہے
> مرا نورِ بصیرت عام کر دے
>
> (اقبالؔ)

ندوہ کے شب و روز

شمس الحق ندوی

[illegible]

مقالات

[illegible]